1959ء سے قائم شدہ ادارہ پبلشنگ کی دنیا میں معروف نام

خصوصاً اسلامی کُتب کا جدید مرکز

اسلامک پبلی کیشنز

پبلشرز، بک سیلرز اور ایکسپورٹرز

مفکرِ اسلام سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور امام حسن البنا شہیدؒ کی شہرہ آفاق تحریریں

سید مودودیؒ کی چند اہم تصانیف

- اسلام اور ضبطِ ولادت • پردہ • تفہیمات
- اسلام سرمایہ داری اور اشتراکیت • خواتین اور دینی مسائل
- تنقیحات، اسلامی ریاست • سنت کی آئینی حیثیت
- رسائل و مسائل • بناؤ اور بگاڑ
- تحریکِ آزادیٔ ہند اور مسلمان
- تحریکِ اسلامی کی اخلاقی بنیادیں

کُتب کی فہرست (Catalogue) طلب فرمائیں

ہیڈ آفس
اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ۔ ۱۳۔ کورٹ سٹریٹ لوئر مال، لاہور پاکستان
Tel: +92-42-7248676-7320961, Fax: +92-42-7214974
E-mails: islamicpak@hotmail.com, islamicpak@yahoo.com , Website: www.islamicpak.com.pk

سیرت النبیؐ کی مطالعہ کے لئے ایمان افراز تصنیف

الأمین ﷺ

ہدیہ چار جلدیں 2100/- روپے
رعایتی قیمت 1260/- روپے

مصنفہ : محمد رفیق ڈوگر

اللہ کے نبیؐ کی سیرت پاک سب کے لئے راہنمائی ہے۔ الامین بڑی تحقیق کے بعد تحریر کی گئی ہے مثلاً اہل علم لکھتے آئے ہیں کہ پہلے تین سال دعوت توحید خفیہ تھی مگر الامین میں ثابت کیا گیا ہے کہ دعوت ایک دن بھی خفیہ نہ تھی۔ پھر یہ بھی ہے کہ ان تین سالوں میں سو کے قریب افراد ایمان لائے۔ اس مفروضہ کی تردید کرتے ہوئے قبائل کے اسلام لانے کی فہرستیں دی گئی ہیں۔ ایسے سوالات ہر تحقیق میں شامل ہیں کہ ریاست مدینہ کا نظام صدارتی تھا یا پارلیمانی، صوبوں کی آزادی، جج اور عامل کون ہوسکتا ہے، نظامِ عدل، خواتین کی آزادی، اقلیتوں کے حقوق وغیرہ وغیرہ پھر دفائی ذمہ داریاں کیسے نبھائی جائیں گی۔ آپؐ کے بنیادی پالیسی کے اُصول کیا تھے جن سے دس سالوں میں صرف 271 مسلمانوں کی شہادت اور 801 کفار کے قتل سے تمام عرب میں اسلام پھیل گیا۔

ہر بات مستند حوالوں اور اعداد و شمار سے ثابت کی گئی ہے۔

Phone: 7230777 Fax:09242-7231387
www:alfaisalpublishers.com
e.mail:alfaial_pk@hotmail.com
e.mail:alfaialpublisher@yahoo.com

الفیصل ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

مفتاح العُلوم

شرح مثنوی مولانا روم

☆ اسلامی ادبیات کی عظیم الشان اور لازوال مثنوی، جس کے 26,660 اشعار میں تصوف و اخلاص کے مسائل کو سبق آموز حکایات اور نصیحت آموز تمثیلوں کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔

☆ گزشتہ سات صدیوں سے مثنوی مولانا روم مسلمانانِ عالم میں عقیدت واحترام سے پڑھی جارہی ہے۔ برعظیم پاک و ہند میں اس کے بیشمار ترجمے ہوئے اور شرحیں لکھی گئیں۔ یہ نیک کام کرنے والوں میں حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی، مولانا محمد رضا، مولانا بحر العلوم، مولانا احمد حسن کانپوری اور مولانا اشرف علی تھانوی جیسے نامور مشاہیر شامل ہیں۔

☆ لیکن جو شہرت و مقبولیت مولانا محمد نذیر عرشی نقشبندی مجددی کو نصیب ہوئی، وہ کسی اور کے حصے میں نہ آسکی۔

مولانا عرشی کے ترجمے اور شرح کے ساتھ انتہائی خوبصورت اور دیدہ زیب چھ جلدیں

قیمت:-/4600 روپے

Phone: 7230777 Fax:09242-7231387
www.alfaisalpublishers.com
e-mail:alfaisal_pk@hotmail.com
e-mail:alfaisalpublisher@yahoo.com

الفیصل ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

مجددِ عصر اور اخوان: مشاہدات

ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی ○

امام حسن البنا شہید کے صد سالہ جشن ولادت کی مناسبت سے ترجمان القرآن نے جو خصوصی شمارہ شائع کرنے کا عزم کیا ہے، وہ بہت مستحسن و مبارک قدم ہے۔ اس موقع پر میں نے سوچا کہ اس عظیم شہید کی شخصیت و شمائل، ان کی دعوت و تحریک، ان کی تصنیفات و خطبات، ان کے دعوتی خصائص و امتیازات وغیرہ پر تو بہت سے فاضل مقالہ نگار روشنی ڈالیں گے، اخوان المسلمون جو ان کا سب سے بڑا کارنامہ بلکہ ان کا سرمایۂ حیات اور ان کی زندگی کا نچوڑ تھی، کیوں نہ میں اس کے بارے میں اپنے مشاہدات پیش کروں، کہ میں مصر اور شام میں اس سے وابستہ رہا ہوں، اور عراق و اردن میں بھی اس تحریک کے مظاہر بڑے قریب سے دیکھے ہیں۔ اس کے قائدین اور کارکنوں کے ساتھ میرا گہرا تعلق رہا ہے بلکہ میں ان کے خاندان (اسرہ، سب سے چھوٹا تنظیمی یونٹ) کا ایک فرد رہا ہوں۔ میں نے ان کو آزادانہ اور سرفروشانہ سرگرم عمل بھی دیکھا ہے، اور ان کا وہ دور ابتلا بھی دیکھا ہے جب سرزمینِ مصر ان کے چھے ممتاز شہیدوں کے لہو سے لالہ زار تھی، اور جب ان کے ہزاروں کارکن و قائدین پابند سلاسل تھے اور ہزاروں ہی خود اختیاری جلاوطنی پر مجبور تھے۔

وہ سرزمین جہاں امام حسن البنا شہید پیدا ہوئے، اور جہاں ان کی عظیم عالمی اسلامی تحریک اخوان المسلمون پروان چڑھی اور پھر ان کے خون سے لالہ زار ہوئی، یعنی مصر، اس پر میں نے

○ کیمبرج یونی ورسٹی سے قدیم تفسیری نسخے پر تحقیق کے نتیجے میں ڈاکٹریٹ۔ کیمبرج یونی ورسٹی، بن غازی یونی ورسٹی لیبیا، اور شاہ سعود یونی ورسٹی ریاض میں تاریخ و تمدن اور عربی زبان و ادب کے استاذ رہے۔ حال مقیم: کراچی

پہلا قدم ستمبر ۱۹۵۳ء میں رکھا۔ مصر کا میرا یہ پہلا سفر جدہ سے سویز براستہ سمندر تھا۔ اس کے بعد متعدد بار فضائی اور بری راستوں (لیبیا، مصر) سے مصر جانا ہوا، لیکن پہلا سفر متعدد وجوہ سے بڑا یادگار سفر تھا۔ ایک تو یہ کہ اس کا دورانیہ خاصا طویل، یعنی تقریباً پونے دو سال تھا، کیونکہ یہ مطالعاتی اور تعلیمی سفر تھا۔ دوسرے، یہ کہ اس سفر میں جو جنرل نجیب کے ہاتھوں انقلاب کے صرف ایک سال بعد پیش آیا تھا، میں نے مصر میں فوجی سیاست کے بڑے اتار چڑھاؤ دیکھے۔ تیسری اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ میں نے اس سفر میں مختلف مراحل میں اخوان کی تحریک کو بہت قریب سے دیکھا اور پرکھا، اس کے راہ نماؤں کو سنا اور اس کے کارکنوں کے صبح و شام دیکھے۔ ان کے عزم و ہمت کا مشاہدہ کیا اور ان کا صبر و ثبات دیکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے ساتھ میرا جو زمانہ گزرا وہ بہت ہی عزیز زمانہ تھا۔

○ **اخوان سے تعلق**: اخوان سے میرا تعلق مکہ مکرمہ میں قائم ہوا تھا، جہاں میں ۱۹۵۰ء کے حج سے ستمبر ۱۹۵۳ء تک مقیم رہا (بیچ میں پانچ چھے ماہ کا سفر دمام کا پیش آیا)۔ میں حج پر استاذ معظم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (مولانا علی میاں) کے ساتھ گیا ہوا تھا۔ حج کے موقع پر اخوان کے ایک نوجوان راہ نما اور (بعد ازاں) امام حسن البنا شہید کے داماد الاستاذ سعید رمضان بھی آئے ہوئے تھے، جن سے میرے استاذ معظم مولانا علی میاں رحمتہ اللہ کا تعارف ہوا، جو بعد میں ایک مستقل دوستی اور تعلق میں تبدیل ہوگیا۔

استاذ سعید رمضان مرحوم نے مکہ کے واحد بڑے ہوٹل 'بنک مصر' میں حج کے فوراً بعد ایک جلسہ منعقد کیا، جس میں حجاز کے علما، ادبا اور دانش وروں کو دعوت دی۔ اس جلسے میں مشہور مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم صدیقی (مولانا شاہ احمد نورانی مرحوم کے والد گرامی) بھی مقرر کی حیثیت سے شامل تھے اور میں بھی حضرت مولانا علی میاں کے ایک رفیق کی حیثیت سے موجود تھا۔ مولانا مرحوم نے اس موقعے پر عربی زبان میں، جب کہ مولانا عبدالعلیم صدیقی نے انگریزی میں تقریر کی تھی، لیکن برادرم مرحوم الاستاذ سعید رمضان کی تقریر سب پر بھاری تھی۔ اس کے کئی سال بعد دمشق میں مؤتمر اسلامی کی بین الاقوامی کانفرنس کے موقعے پر ان کے جوہر دیکھنے میں آئے۔ ۱۹۵۶ء کی اس کانفرنس میں جو استاذ سعید رمضان ہی نے منعقد کی تھی، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بھی شریک تھے۔ میں اس وقت دمشق یونی ورسٹی کے کلیۃ الشریعہ کا

ایک طالب علم تھا۔ ڈاکٹر سعید رمضان مرحوم کی شعلہ بیانی اور زورِ خطابت شہید حسن البنا کے اثر ہی سے تھا، وہ اپنے مرشد مرحوم کی کاپی تھے۔

استاذ سعید رمضان سے ۱۹۵۰ء میں مختصر تعارف اور ملاقات کے بعد دوسرے موسم حج کے موقعے (۱۹۵۱ء) پر اخوان کا ایک مختصر وفد ڈاکٹر عبدالعزیز کامل کی قیادت میں مکہ مکرمہ آیا تھا۔ موصوف اسکندریہ کی فاروق یونی ورسٹی میں جغرافیہ کے استاد تھے۔ ان کے ہمراہ اسکندریہ یونی ورسٹی کے بعض اخوان طلبہ بھی تھے، ان میں سے ایک محب المحمدی الحسنی سے میری اچھی ملاقات ہوگئی۔ دوسال بعد جب میں مصر گیا تو اس وقت یہ ملاقات بہت کام آئی، کیونکہ اس وقت یہ ساتھی قاہرہ آچکے تھے، جہاں وہ بی اے آنرز کے بین الاقوامی تعلقات میں قاہرہ یونی ورسٹی سے ڈپلومہ کر رہے تھے۔ ساتھ ہی ایک نئے روزنامے الجمہوریہ میں کام بھی کرتے تھے۔ اس اخبار کے ایڈیٹر اس زمانے میں جمال عبدالناصر کے ساتھی اور انقلابی قیادت کونسل (Revolutionary Command Council) کے رکن انور السادات تھے، جو جمال عبدالناصر کے بعد صدر بنے۔

○ **اخوان کی اخوت:** مجھے اخوان کی 'اخوانیت' دیکھنے کا موقع مصر میں ملا۔ اگر میں مصر جا کر ان کی طویل رفاقت اختیار نہ کرتا تو مجھے اخوان کی اس حقیقت کا پتا نہ چلتا جس پر امام حسن البنا نے ۱۹۲۸ء میں تحریک اخوان المسلمون کی بنیاد رکھی۔ وہ بنیاد تھی سچی اسلامی اخوت، للّٰہیت، خطرات کا مقابلہ اور اللہ تعالیٰ پر بے پناہ اعتماد۔ اس کا کریڈٹ تحریک اخوان المسلمون کے بانی اور پہلے مرشد عام حسن البنا شہید کو جاتا ہے۔ یہاں کچھ آپ بیتی بھی ضروری ہے جس میں درحقیقت جگ بیتی پنہاں ہے۔

میں نے قاہرہ پہنچنے کے بعد قصر عابدین (اندرون شہر شاہ فاروق کی سابقہ قیام گاہ) کے قریب شارع عبدالعزیز پر ایک گیسٹ ہاؤس (pension) میں ایک کمرہ کرایے پر لے لیا تھا۔ یہاں مجھے رہتے ہوئے تین چار ماہ کے قریب ہوئے تھے کہ میرا اخوانی دوست، محب المحمدی جس سے دوسال قبل مکہ میں تعارف و ملاقات رہی تھی اور اس سے کچھ مراسلت بھی رہی، اس گیسٹ ہاؤس سے اصرار کر کے وسط شہر سے دور بلکہ قاہرہ کے الدقی نامی محلے میں مجھے اپنے فلیٹ پر لے گیا، جو اس گیسٹ ہاؤس کے مقابلے میں بہت سستا تھا۔ اس میں پانچ نوجوان اور رہتے تھے

جن میں دو اسکول ماسٹر تھے، دو طالب علم اور ایک کسی کمپنی میں کلرک تھا۔ محب المحمدی اپنا کمرہ چھوڑ کر اپنے ایک رشتہ دار کے یہاں رہنے جا رہے تھے اور انھوں نے مجھے اپنا کمرہ دے دیا تھا۔ یہ فلیٹ شارع جوہر پر تھا۔ ان پانچ میں سے صرف ایک مدرس غیر اخوانی تھا، لیکن وہ بھی حامیوں میں سے تھا۔

اب میں اس اخوانی خاندان کا ایک فرد تھا۔ خاندان کا لفظ یہاں بے محل استعمال نہیں کیا گیا ہے، بلکہ اخوان المسلمون کے مرشد عام (صدر یا امیر جماعت) نے اپنی تحریک کا جو تنظیمی ڈھانچا بنایا تھا، اس میں پہلے تنظیمی یونٹ یا اکائی کا نام 'اسرہ' (خاندان) ہی رکھا تھا۔ اس 'اسرہ' کے ان پانچ ممبران (بشمول محب المحمدی) کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی ممبر (عضو) تھے۔ اس سے بڑی تنظیمی اکائی 'شعبہ' تھی۔[1] 'اسرہ' اور 'شعبہ' کے اجلاس مقررہ اوقات پر ہوتے رہتے تھے۔ ہمارے محلے کے شعبے کا سربراہ ایک ترکی الاصل مصری نوجوان تھا اور شعبے کی میٹنگ ایک قریبی مسجد میں ہوتی تھی۔

ان سب اخوانی اور ایک غیر اخوانی بھائیوں کا مجھ سے ایسا برادرانہ اور مخلصانہ تعلق تھا کہ میں اپنی مسافرانہ حیثیت کو بھول گیا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ واقعتاً ہم ایک ہی خاندان کے فرد ہیں۔ حجاز میں رہنے کے سبب میری عربی اچھی ہوگئی تھی اور گفت و شنید میں کوئی دشواری نہ تھی، جلد ہی میں نے مقامی مصری بولی (colloqial) بھی سیکھ لی۔ اسلامی اخوت جو اخوان کا امتیازی نشان تھا کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ عید کے موقعے پر یہ اخوانی جو مصر کے مختلف شہروں سے آئے ہوئے تھے، اپنے اپنے گھروں کو جا رہے تھے، ابو احمد جو سب میں سینئر تھے انھوں نے اصرار کیا کہ میں بھی ان کے ساتھ ان کے گاؤں جاؤں۔ میرے تکلف پر انھوں نے کہا کہ اگر تم ہمارے ساتھ نہ گئے تو ہم بھی عید کرنے اپنے گھروں کو نہ جائیں گے۔ مجبوراً میں ان کے ساتھ قاہرہ سے کافی دور ان کے گاؤں دکرنس تحصیل بیت عمر گیا، جو قاہرہ کے شمال مغرب میں واقع مشہور شہر منصورہ کے قریب تھا۔ یہاں ان لوگوں نے میری اس اہتمام سے خاطر مدارت کی جو شاید بہت سے قریبی رشتے دار بھی

۱- اس تنظیمی ڈھانچے کے لیے ملاحظہ ہو، میری عربی سے ترجمہ کردہ کتاب تحریك اخوان المسلمین، کراچی، ۱۹۹۹ء۔ یہ اخوان کی تحریک پر ایک علمی، شماریاتی کتاب ہے جو دراصل قاہرہ یونی ورسٹی کا عربی میں ایک مقالہ تھا۔

نہ کر سکیں۔ یہ ایک پر خلوص اور غیر معمولی اسلامی اخوت کا سحر انگیز مشاہدہ تھا۔

تقریباً ڈیڑھ سال تک میرا قاہرہ میں ان کے ساتھ قیام رہا اور اس دوران میں کتنے ہی اخوانی دوستوں سے ملا۔ سب کا طریقۂ تعارف نام بتاتے وقت یہ تھا 'اخوکم فی اللہ' مصطفیٰ یا محمد وغیرہ یعنی اللہ کی خاطر تمھارا بھائی فلاں۔ یہ اسلامی اخوت کا وہ پہلا سبق تھا جو بہت پہلے حسن البنا شہید نے اپنی تحریک کے پیروؤں کو سکھایا تھا۔ جس پر وہ آج تک کاربند ہیں اور جس نے ان کو ایک ایسے مضبوط رشتے میں جوڑ دیا تھا، جس کی مثال کسی اور تحریک میں نہیں ملتی۔ اس کا بھرپور مظاہرہ اس شدید دورِ ابتلا میں ہوا جو جمال عبدالناصر کے عہد ۱۹۵۴ء سے شروع ہوا اور اس کی موت (۱۹۷۱ء) تک جاری رہا۔ اس دور میں ۲۰، ۲۵ ہزار کے قریب اخوان جیلوں میں تھے۔ ان کے بیوی بچوں کے مصارف وہ ہزاروں اخوانی برداشت کرتے رہے جو کہ کسی نہ کسی طریقے سے جان بچا کر خلیج، کویت، قطر، سعودیہ، بحرین وغیرہ پہنچ گئے تھے۔ یہ لوگ خفیہ طریقے سے رقم مصر بھیجتے تھے، جو ان بے سہارا خاندانوں میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔

○ **مصر کا انقلاب:** مصری انقلاب کے صرف ایک سال بعد میں وہاں پہنچا تھا۔ اس انقلاب میں اخوان کا ایک مرکزی کردار تھا۔ آزاد افسران فوج (الضباط الاحرار) کی جو خفیہ تنظیم شاہ فاروق کے زمانے میں قائم تھی، اس کی بعض خفیہ اجلاس اخوانی راہ نماؤں کے گھروں یا خفیہ مقامات پر ہوتی تھیں۔ انقلابی قیادت کونسل (مجلس الثورۃ) جو انقلاب کے بعد قائم ہوئی، اس کے بعض ارکان کمال الدین حسینی اور انور السادات وغیرہ کے اخوان سے بہت قریبی تعلقات تھے۔ انقلاب کے بعد اخوانی فکر کے جن اعلیٰ فوجی افسران کے نام منظرعام پر آئے، ان میں سے مشہور اشخاص رشاد مہنا، کرنل ابوالمکارم عبدالحیٔ اور کرنل عبدالمنعم عبدالرؤف کے نام اب تک مجھے یاد ہیں۔ ان سب کا اس انقلاب میں بڑا فعال کردار تھا۔ رشاد مہنا تو اس کونسل کے صدر تھے جو شاہ فاروق کی روانگی کے بعد اس کے ولی عہد خاندان اور محلات وغیرہ کی نگرانی کے لیے بنائی گئی تھی اور کرنل عبدالمنعم عبدالرؤف نے شاہ فاروق سے تخت سلطنت سے دست بردار ہونے کی دستاویز پر دستخط کرائے تھے اور اس کو جلاوطن کیا تھا۔

جنرل محمد نجیب کا جو ابتدا میں انقلابی کمانڈ کونسل کے صدر بنائے گئے تھے، اخوان سے

براہِ راست تعلق نہ تھا، لیکن وہ اپنی اسلامی سیرت کے سبب اخوان سے قریب تھے، چونکہ وہ ایک سینیر جنرل تھے اور بادشاہت کے خلاف، اس لیے انقلابی فوجی افسران نے ان کو صدر بنانا پسند کیا۔ لیکن وہ فوجی انقلابی جو عیاشی کی طرف مائل تھے یا وہ جو بائیں بازو کی سیاست کے حامی تھے، انھوں نے کرنل جمال عبدالناصر کو صدر بنانے اور جنرل محمد نجیب کو صدارت سے ہٹانے کی حمایت کی۔ مصری انقلاب کی تاریخ کا ایک دل چسپ پہلو جس کا میں عینی شاہد ہوں یہ ہے کہ جیسے ہی جنرل نجیب کو صدارت سے معزول کرنے کی خبر پھیلی، عوام نے غم و غصے کے اظہار میں مظاہرے شروع کر دیے۔ دو یا تین دن کے بعد انقلابی کمانڈ کونسل نے جنرل نجیب کی صدارت کے عہدے پر واپسی کا اعلان کر دیا۔ یہ شاید ستمبر یا اکتوبر کا مہینہ تھا۔ میں اس وقت قصرعابدین کی شارع عبدالعزیز کے فلیٹ میں ہی مقیم تھا۔ گیارہ بارہ بجے کے قریب بلڈنگ سے باہر آیا تو دیکھا کہ سڑک پر لوگ خوشی سے ناچ رہے ہیں اور راہ گیروں کو شربت پلا رہے ہیں۔ مجھے بھی ایک دکان دار نے شربت پیش کیا، آگے بڑھا تو دیکھا کہ قصرعابدین کے سامنے وسیع میدان میں بڑا ہجوم ہے۔ معلوم ہوا کہ تھوڑی دیر پہلے لوگ یہاں جنرل نجیب کو کاندھوں پر اٹھائے ہوئے اپنی خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔

ابتدا میں انقلابی افسران اور جنرل نجیب نے اعلان کیا تھا کہ ملک میں آزاد انتخابات کرائے جائیں گے۔ بہت سی سیاسی پارٹیوں کو الیکشن کی تیاری کا حکم بھی دے دیا گیا تھا۔ ملک میں ایک عجیب سرخوشی اور گہما گہمی کا راج تھا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب اعلیٰ انقلابی افسران حسن البنا شہید کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لیے گئے تھے اور انھوں نے اعلان کیا تھا کہ اخوان پر جو ظلم ہوا ہے اس کی پوری پوری تلافی کی جائے گی۔ لیکن بعد میں یہ وعدے پورے نہیں کیے گئے بلکہ بعض وہ اعلیٰ اخوانی فوجی افسران جن کا انقلاب میں اہم کردار تھا، ان کو ملک چھوڑ کر خفیہ طور پر بھاگنا پڑا، تاکہ جمال عبدالناصر کی داروگیر سے بچ سکیں۔ ان میں نمایاں نام کرنل عبدالمنعم عبدالرؤف کا تھا، جنھوں نے شاہ فاروق کو تخت چھوڑنے اور ملک بدر ہونے پر مجبور کیا تھا۔

انقلاب سے ڈیڑھ دو سال قبل وفدی حکومت کے عہد میں اخوان پر سے پابندی اُٹھالی گئی۔ اخوان پر پہلی پابندی ۱۹۴۹ء میں لگی اور حسن البنا شہید کے ۱۲ فروری ۱۹۴۹ء کو سرکاری

کارندوں کے ہاتھوں شہادت کے ایک سال بعد، ان کی جماعت کو پھر فکر و عمل کی آزادی مل گئی تھی۔ انقلاب کے بعد اس میں مزید سرگرمی آ گئی۔ میں اپنے اخوانی دوستوں کے ساتھ محلہ الحلمیۃ الجدیدۃ کے، مرکز اخوان میں ان کے ہفتہ وار منگل کے اجتماع میں جاتا تھا، جو بعد مغرب ہوتا تھا اور جس میں اخوان کا کوئی مقرر یا بیرونی مہمان اسلامی موضوعات پر تقریر کرتا تھا۔

جنوری ۱۹۵۴ء کی ایسی ہی ایک شام میں نے وہاں ایران کی تحریک فدائیان اسلام کے ایک نوجوان راہ نما نواب صفوی کی تقریر سنی (ایک سال بعد شہنشاہ ایران نے ان کو پھانسی دے دی تھی)۔ فصیح و بلیغ عربی میں یہ تقریر کیا تھی، ایک شعلہ افشانی تھی۔ دوران تقریر اخوان کا خاص مفصل نعرہ، اللّٰہ غاتیننا، والرسول زعیمنا (مجھے زعیمنا ہی یاد ہے اور یوسف القرضاوی نے اپنی تازہ کتاب الاخوان المسلمون میں یوں ہی لکھا ہے، بعض کتابوں میں 'قدوتنا' ہے)، والقرآن دستورنا، والجهاد سبیلنا و الموت فی سبیل الله اسمیٰ امانینا، کئی ہزار افراد کی آواز میں بلند ہو رہا تھا (اللہ ہمارا مقصود و مطلوب ہے، رسولؐ ہمارے لیڈر ہیں، قرآن ہمارا دستور ہے، جہاد ہمارا طریقہ کار ہے اور اللہ کے راستے میں شہادت ہماری عزیز ترین آرزو ہے)۔ جوش و جذبے کا یہ عالم تھا کہ محسوس ہو رہا تھا کہ یہ تین چار ہزار افراد اگر چاہیں تو ابھی مرکز اخوان سے نکل کر پورے شہر پر قبضہ کر سکتے ہیں۔

انقلابی فوجی افسران جو اپنی بیرکوں وغیرہ میں خفیہ اجتماعات و ملاقاتیں کرتے تھے، ان کو یہ عوامی مقبولیت کہاں حاصل تھی، جو اخوان کو تھی۔ یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ انقلاب کے فوراً بعد تمام سیاسی پارٹیاں (احزاب) غیر قانونی قرار دے دی گئی تھیں، سوائے اخوان المسلمون کے، کیونکہ اس کا سرکاری نام حزب (پارٹی) اخوان المسلمون نہیں تھا، بلکہ جماعت اخوان المسلمون تھا، اور مصر میں 'حزب' کا لفظ سیاسی پارٹی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح اخوان ہی تنہا میدان میں تھے اور ان کے ذریعے انقلاب کو عوامی مقبولیت حاصل ہو رہی تھی۔

جمال عبدالناصر اخوان کے جذبۂ جہاد کا مشاہدہ کر چکا تھا، ان کی ممتاز عسکری کارکردگی کو ۱۹۴۸ء کی پہلی جنگ فلسطین میں دیکھ چکا تھا' اور انقلاب سے قبل مختلف خفیہ اجتماعات میں ان کے ساتھ شریک ہو چکا تھا۔ وہ ان کی عوامی مقبولیت اور انتظامی قابلیت سے واقف تھا۔ اب انقلاب

کے بعد وہ خود زمام حکومت اپنے ہاتھوں میں لینا چاہتا تھا اور اپنے قومی اشترا کی ایجنڈے پر عمل کرنا چاہتا تھا۔ اخوان اپنے اسلامی فکر و عمل سے اس کے راستے میں حائل تھے۔ اس لیے اس نے اخوان کو اپنے راستے سے ہٹانے کے لیے ۱۹۵۴ء کی ابتدا سے مختلف طریقے اختیار کیے۔ پہلے جنوری ۱۹۵۴ء میں قاہرہ یونی ورسٹی میں اخوانی طلبہ اور سرکاری تنظیم ہیئۃ التحریر کے نوجوانوں کے درمیان جھڑپ کو بہانہ بنا کر اخوان پر پابندی لگا دی اور بہت سے اخوانیوں کو قید و بند میں مبتلا کیا۔ پھر مارچ ۱۹۵۴ء میں یہ پابندی اٹھی تو اخوان ازسرنو سرگرم عمل ہوگئے۔

○ **نہر سویز پر انگریزوں سے معاہدہ:** اخوان برسوں سے انگریزوں کے نہر سویز پر قبضے کے خلاف سرگرم تھے۔ ۱۹۵۱ء میں وہ نہر سویز کے علاقے اور خاص طور پر شہر اسماعیلیہ میں جہاں بڑا برطانوی فوجی اڈا تھا، انگریزوں پر گوریلا حملے کرتے رہے تھے۔ یہ حملے جاری تھے کہ جولائی ۱۹۵۲ء کا فوجی انقلاب رونما ہوگیا۔ اخوان نے فوجی حکومت پر انگریز فوج کو مصر سے نکالنے کے لیے اپنا دباؤ بڑھا دیا۔ مصر میں آزاد فوجی افسران کی خفیہ تنظیم بھی انگریزی فوجی وجود کے خلاف تھی، اور انقلاب سے پہلے دونوں میں اس بارے میں باہمی تعاون تھا، لیکن دونوں کے مقاصد میں فرق تھا۔ اخوان انگریزوں کے سامراجی وجود سے مصر کو بالکل پاک کرنا چاہتے تھے کہ نہر سویز پر ان کا کسی قسم کا دعویٰ نہ رہے، جب کہ نئی انقلابی قیادت ان سے سمجھوتا چاہتی تھی، اور ان کو یہ مراعات دینے کے لیے تیار تھی کہ انگریز جب چاہیں کسی جائز وجہ کی بنا پر دوبارہ نہر سویز اور اس کے علاقے پر قبضہ کرسکتے ہیں۔

جولائی ۱۹۵۴ء میں ابتدائی طور پر ایسے ایک معاہدے پر انقلابی حکومت اور انگریزوں کے مابین دستخط ہوگئے۔ اس کمزور اور انجام کار ضرر رساں معاہدے کی تکمیل کرانے میں امریکا اور بھارت کی نہرو حکومت کا بڑا ہاتھ تھا۔ اس سلسلے میں، میں اپنا ایک ذاتی مشاہدہ پیش کرتا ہوں۔

میں اس زمانے میں بھارتی شہریت کا حامل تھا۔ جدہ سے ایک مشہور کانگریسی سیاسی شخصیت عبداللہ مصری قاہرہ آئی ہوئی تھی۔ ان سے مکہ مکرمہ میں میری ملاقات رہی تھی۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ قاہرہ میں بھارتی سفیر علی یاور جنگ عربی زبان پڑھنا چاہتے ہیں، آپ یہ کام انجام دیں۔ میں تیار ہوگیا۔ ہفتے میں دو تین اسباق ہوئے تھے کہ سفیر صاحب کو اقوام متحدہ جانا پڑ گیا۔

اس دوران بھارتی سفارت خانے میں میری ملاقات ملٹری اتاشی کرنل مدن سے ہوگئی۔ انھوں نے کہا کہ سفیر صاحب کی جگہ میں ان کو عربی پڑھا دیا کروں۔ یہ اپریل یا مئی ۱۹۵۴ء کا واقعہ ہے۔ ابھی مجھے انھیں پڑھاتے ہوئے صرف ایک ماہ ہوا تھا کہ انھوں نے مجھ سے یہ کہہ کر معذرت کرلی کہ میں آج کل مصری فوجی حکومت اور انگریزوں کے مابین سویز کینال سے متعلق سمجھوتے کے لیے ثالثی کے طور پر گفت و شنید میں سخت مصروف ہوں، اس لیے عربی زبان کی تعلیم کا یہ سلسلہ جاری نہیں رہ سکتا۔ مصر کے اس اہم مسئلے میں بھارت کی ثالثی کا یہی کردار تھا جو مصر اور خاص طور پر جمال عبدالناصر کے بھارت سے پایدار تعلق کی بنیاد بنا۔ ورنہ اس سے قبل جب اسی سال کی ابتدا میں جنرل محمد نجیب اور جمال عبدالناصر کے مابین سخت اختلافات رونما ہوئے تھے تو انھیں حل کرانے میں پاکستان کے سفیر طیب حسین کا بڑا ہاتھ تھا۔ تب پاکستان سے نئی مصری فوجی حکومت کی بڑی دوستی تھی، جو بعد میں مختلف وجوہ کی بنا پر دشمنی میں تبدیل ہوگئی۔

○ **اخوان کا ردعمل:** اخوان نے انگریزوں کے ساتھ اس کمزور معاہدے پر جس کی تکمیل میں امریکا اور بھارت نے بڑا کردار ادا کیا تھا، اپنے سخت ردعمل کا اظہار کیا۔ انھوں نے اخبارات و رسائل میں بھی اس معاہدے پر تنقید کی اور اپنی تقاریر میں بھی۔ اس ضمن میں ایک اہم واقعے کا میں عینی شاہد ہوں۔ ہم لوگ کبھی کبھی جمعہ کی نماز کے لیے قاہرہ کے ایک مشہور محلے فیصل الروضہ کی اخوانی مسجد جایا کرتے تھے۔ اس معاہدے کے فوراً بعد اواخر جولائی یا اگست میں اخوانی رفیق حسین الاسکندرانی کے ساتھ میں جمعہ کی نماز کے لیے اخوان کی مسجد الشریف میں گیا۔ اخوانی نوجوان مصطفیٰ مشہور (جو بعد میں پانچویں مرشد عام بنے) نے جمعے کا خطبہ دیا، جس میں انھوں نے بڑے سخت الفاظ میں اس کمزور اور دب کر کیے گئے معاہدے پر تنقید کی۔ وہ جب جمعہ کی نماز پڑھا چکے اور کچھ لوگ مسجد سے باہر نکلنے لگے تو وہاں مسجد میں باہر اور اندر پولیس نے گولی چلادی۔ میں اور میرا اخوانی رفیق ابھی مسجد کے اندر ہی تھے، گولی کی آواز سن کر ہم وہاں سے نکل کر بھاگنے میں کامیاب ہوگئے۔ کچھ لوگ زخمی ہوئے اور کئی گرفتار کیے گئے۔ امام انجینیر مصطفیٰ مشہور کی جان بچ گئی۔ ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۴ء کے اس ڈرامے کے بعد جمال عبدالناصر نے اپنے اوپر اخوان کی طرف سے حملے کا ڈراما رچایا۔ قاہرہ میں مصطفیٰ مشہور اسی سال گرفتار ہوئے اور انھیں ۱۰ سال کی سزا ہوئی۔

۱۹۶۴ء میں رہائی کے بعد ۱۹۶۵ء کے چوتھے دور ابتلا میں ان کو دوبارہ گرفتار کرلیا گیا اور پانچ سال کے بعد ۱۹۷۱ء میں ان کو جیل سے رہائی ملی۔ ۱۹۹۶ء میں وہ اخوان المسلمون کے پانچویں مرشد عام منتخب ہوئے (ان کے اور باقی اخوان کے مرشدین کے بارے میں ملاحظہ ہو میری کتاب تحریک اخوان پر میرا مقدمہ، ص ۲۴-۳۵)۔ ستمبر ۲۰۰۳ء میں ۳۰ سال بعد جب میں مصر گیا تو اس سے چند ہی برس قبل مرشد مصطفیٰ مشہور وفات پاچکے تھے اور مامون الھضیبی چھٹے مرشد عام تھے، جن سے محلہ الروضہ کے چھوٹے سے مرکز اخوان میں ملاقات ہوئی، یہیں میں نے ان کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا۔ یہ مرکز پرانے مرکز کے مقابلے میں جو وسط شہر کے محلہ الحلیۃ الجریدۃ میں تھا، بہت چھوٹا ہے۔

○ ناصر کے مظالم: حسن البنا شہید نے اپنی اس عظیم اور جامع اسلامی تحریک کو اپنے خون سے سینچ کر، پامردی وثبات کا جو درس اخوان کو دیا تھا، اس کا بدرجہ اتم ظہور میں نے ۱۹۵۴ء کے اواخر میں دیکھا۔ ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو جب عبدالناصر اسکندریہ میں تقریر کر رہا تھا کہ اس پر کسی نے پستول سے آٹھ فائر کیے، لیکن کوئی گولی نہ تو عبدالناصر کو لگی اور نہ اسٹیج پر بیٹھے کسی اور شخص کو۔ اور عبدالناصر نے اپنی تقریر جاری رکھی۔ اگلی صبح روزنامہ الاہرام اور دیگر اخبارات یہ خبر لائے کہ ایک شخص محمود عبداللطیف نے یہ حملہ کیا تھا جو گرفتار کرلیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ محلہ امبابہ، قاہرہ میں رہنے والا یہ شخص پلمبر ہے۔ اخوان کے راہ نما ایڈووکیٹ ہنداوی دویر نے مبینہ طور پر جمال عبدالناصر کو قتل کرنے کے لیے اسے ریوالور دیا تھا اور دو مصری پاؤنڈ اس کو اپنے گھر والوں پر صرف کرنے کے لیے دیے تھے۔ فوجی عدالت نے اس کو پھانسی کی سزا دے دی۔

یہ سال جمال عبدالناصر کے استبدادی مزاج اور پالیسیوں کے لیے آزمایش کا سال تھا۔ جنرل محمد نجیب جنھوں نے آزاد افسران کی تنظیم کے مطالبے پر انقلاب کی قیادت اور ملک کی صدارت سنبھالی، ان سے جمال عبدالناصر سب کچھ چھیننا چاہتا تھا، لیکن فوج کے ایک حصے نے محمد نجیب کا ساتھ دیا۔ دوسری طرف عوام نے نجیب کے لیے مظاہرے کیے اور عبدالناصر کو مجبوراً ان کا دوسری بار فوج کے کمانڈر ان چیف اور صدر جمہوریہ کی حیثیت سے تقرر کرنا پڑا۔ تیسری طرف اخوان المسلمون تھے جو اس بات کے لیے تیار نہ تھے کہ ملک کو قومیت اور لادینی اشتراکیت کے

راستے پر چلایا جائے۔ جمال عبدالناصر ان کی عوامی قوت اور جذبۂ جہاد و قربانی سے پوری طرح واقف تھا۔ وہ یہ بھی خوب جانتا تھا کہ فاروق کی باشاہت کے خلاف مزاحم اصل قوت وہی تھے، اور فاروق کے حسن البنا کو قتل کرانے کے بعد عوام کی ہمدردیاں اخوان کے ساتھ کم ہونے کے بجائے مزید بڑھ گئی ہیں۔ پھر یہ کہ وہ اس انقلاب میں بھی بڑے حصہ دار ہیں۔ کرنل عبدالمنعم عبدالرؤف اخوان کے ہمدرد رہے ہیں اور انھی نے شاہ فاروق کو اپنی معزولی کے پروانے پر دستخط کے لیے مجبور کر کے اٹلی کے لیے ملک بدر کیا تھا۔

اس صورت حال اور اپنی کم ہوتی ہوئی مقبولیت کے پیش نظر جمال عبدالناصر نے اپنی خفیہ فوجی پولیس کے ذریعے ایک بہت ہی معمولی شخص پلمبر کو یہ ڈراما رچانے کے لیے قربانی کا بکرا بنایا، تاکہ اس طرح وہ اخوان کو بدنام کر کے ان سے چھٹکارا حاصل کرے، جو اس کے سب سے بڑے مدمقابل تھے۔ مگر اس کے لیے اس کے کارندوں نے جو طریقہ اختیار کیا وہ بڑا بھونڈا تھا۔ بھلا ایک ملک کے سربراہ (اس وقت جنرل نجیب صرف نام کے صدر تھے، سارے اختیارات جمال عبدالناصر کے ہاتھ میں تھے) اور ایک قائد انقلاب کو قتل کرنے کے لیے اخوان ایک اناڑی پلمبر کو مشن سونپتے، پھر اس کو صرف دو مصری پاؤنڈ اس کام کے لیے دیتے۔ ایک غیر جانب دار مصری مؤرخ و مصنف پروفیسر ڈاکٹر شبلی نے اپنی کتاب تاریخ الحضارۃ الاسلامیہ کی جلد ۹ میں بہت اہم دلائل دیتے ہوئے اخوان پر اس الزام کو سراسر جھوٹ قرار دیا ہے۔ (ص ۴۲۰ تا ۴۲۹)[۲]

اس سلسلے میں ایک ذاتی واقعہ بیان کرتا ہوں کہ اس ڈرامے سے دو تین ماہ پہلے یہ محمود عبداللطیف ہم لوگوں سے ملنے ہمارے فلیٹ پر شام کو آیا تھا۔ درمیانی قد اور جسامت کا یہ شخص جو واقعتاً امبابہ کا رہنے والا اور پلمبر تھا، خاموش طبیعت کا عام اخوانی لگ رہا تھا، اس موقع پر ہمارا اخوانی بھائی محب الحمدی بھی آ گیا تھا۔ جب یہ واقعہ پیش آیا اور محمود عبداللطیف کا نام اخباروں میں آیا تو ہمیں تعجب ہوا۔ پھر یہ کہ ہمارے فلیٹ کی ان دنوں انٹیلی جنس والوں کی طرف سے نگرانی ہوتی تھی۔

۲- جمال عبدالناصر کے ظالمانہ دور پر ۸۰۰ سے زائد صفحات کی یہ کتاب بڑی محنت سے لکھی گئی ہے اور اخوان پر جو ظلم وستم اس دور میں کیا گیا ہے اس میں اس کا کافی ذکر ہے۔ یہ کتاب اردو میں ترجمہ ہونا چاہیے۔ ڈاکٹر احمد شبلی سے میری ملاقات بنغازی، لیبیا میں ہوئی، جب میں وہاں ۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۹ء تک پروفیسر تھا۔

اپنے ایک منزلہ فلیٹ کی سڑک پر کھلنے والی کھڑکی سے ہمارے ساتھی اکثر وہاں ایک آدمی کو کھڑا دیکھتے تھے۔ اگر محمود عبداللطیف کا اس قصے میں ہاتھ ہوتا تو اس واقعے کے بعد پولیس ہمارے فلیٹ پر دھاوا بولتی اور ہم سبھی کو پوچھ گچھ کے لیے گرفتار کر لیتی۔

اس خود ساختہ جھوٹی کہانی کا مقصد اخوان کی اسلامی تحریک اور ان کی قوت کو تباہ کرنا تھا۔ چھے اخوانی راہ نماؤں کو سخت تعذیب کے بعد پھانسی دے دی گئی، جن میں شیخ محمد فرغلی جیسے ازہری عالم اور جسٹس (ریٹائرڈ) عبدالقادر عودہ جیسے ممتاز قانون دان اور دو جلدوں میں اعلیٰ درجے کی تحقیقی کتاب التشریع الجنائی فی الاسلام (اسلام کا فوج داری قانون) کے مصنف بھی شامل تھے۔ پروفیسر ڈاکٹر شبلی کے مطابق ان کا جرم درحقیقت صرف یہ تھا کہ وہ مارچ ۱۹۵۴ء میں جمال عبدالناصر کے خلاف اور جنرل محمد نجیب کی تائید میں عوامی مظاہرے کے وقت نجیب کی واپسی پر قصر عابدین (صدارتی قیام گاہ) کی بالکونی پر کھڑے تھے۔

○ **اخوان کا دورِ ابتلا:** اس واقعے کو بہانہ بنا کر ہزاروں اخوان کو گرفتار کیا گیا، پابند قید وسلاسل کیا گیا۔ ان پر وہ وحشیانہ تعذیب کی گئی جس کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن امام حسن البنا نے صبر ثبات کا جو درس ان کو دیا تھا، اس پر وہ جمے رہے۔ چھے ممتاز اخوانی راہ نماؤں کی شہادت کے بعد عام اخوانی نوجوانوں کی زبان پر قرآن کریم کی غزوہ خندق کے موقع پر اترنے والی یہ آیت تھی: مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا (احزاب ۳۳:۲۳) ”یہ اہل ایمان میں ایسے لوگ تھے جنھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اسے پورا کر دکھایا، ان میں سے کچھ کو موت آگئی اور ان میں سے کچھ منتظر ہیں اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی“۔

اس دار و گیر کے زمانے میں اخوان کے ہزاروں کارکن کسی نہ کسی طریقے سے ملک سے باہر چلے گئے تھے۔ انھی میں سے دو نوجوان محمد عرفہ اور اسماعیل ہضیبی (اخوان کے دوسرے مرشد عام کا بھتیجا جس کو ۱۵ سال قید کی سزا غیر حاضری میں سنائی گئی تھی) دمشق پہنچ گئے تھے، وہ ثابت قدم تھے۔ میں دورانِ تعلیم ان کے ساتھ ایک سال کے قریب (۱۹۵۷ء) رہا۔ ان کی زبانوں پر بھی قرآن کریم کی یہی آیت تھی جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ اسی فلیٹ میں دوپہر کے کھانے پر جیسا کہ

پہلے ذکر ہوا ہماری ملاقات کرنل عبدالمنعم عبدالرؤف سے ہوئی تھی جو کسی نہ کسی طریقے سے جمال عبدالناصر کی جیل سے بھاگ نکلے تھے اور اب ترکی جارہے تھے۔

استاذ سعید رمضان مرحوم اور بعض دیگر اخوانی راہ نما ۱۹۵۴ء کے اس واقعے سے پہلے ہی ایک کانفرنس میں شرکت کے سبب دمشق میں موجود تھے۔ جمال عبدالناصر نے ایسے چھے ممتاز اخوانی راہ نماؤں کی مصری شہریت ختم کردی تھی۔ مصر کے بعد میرا اکثر ان سے ملنا رہتا تھا اور ان کا ماہانہ مجلہ المسلمون قاہرہ کے بعد اب دمشق سے شائع ہونے لگا تھا۔ اس زمانے میں انھوں نے اپنے اس مجلے میں جمال عبدالناصر پر ایک مضمون لکھا تھا جس کا عنوان تھا: 'فرعونِ مصر'۔ اسی لقب سے اس کو اس کے ایک فوجی رفیق انقلاب اور سابق وزیر عبداللطیف بغدادی نے اپنی کتاب میں یاد کیا ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ نصف صدی سے قبل اس شدید ابتلا اور پھر ۱۹۶۵ء میں دوسری ابتلا، پھانسیوں (سید قطب شہید کی پھانسی)، قید و بند اور جلاوطنی اور معاشی و خاندانی مصائب کے باوجود اخوان کی تنظیم آج بھی مصر میں فعال ہے۔ جمال عبدالناصر کی قوم پرستانہ اشتراکیت اب قصۂ پارینہ بن چکی ہے۔ ۲۰ویں صدی کے اس فرعون کا اب کوئی نام بھی لینا پسند نہیں کرتا، جب کہ اخوان نے ان پر سیاسی پابندیوں کے باوجود آزاد حیثیت اور دوسری سیاسی پارٹیوں کے ٹکٹ پر گذشتہ انتخابات میں ۸۸ سے زائد نشستیں حاصل کی ہیں۔ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَ اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ (الرعد ۱۳:۱۷) ''اور جہاں تک (سلابی) جھاگوں کا تعلق ہے تو وہ رائیگاں ہوتی ہیں اور جو چیز لوگوں کو نفع دینے والی ہے وہ زمین میں باقی رہ جاتی ہے''۔

امام حسن البنا نے اخوان المسلمون میں جو ثبات وصلاحیت پیدا کردی تھی، یہ اسی کا فیض تھا کہ تعذیب وقتل اور مسلسل سخت ابتلا کی آندھیاں بھی ان کو ہلا نہ سکیں۔ مرد تو مرد اخوانی خواتین بھی ناصری جلادوں کے ہاتھوں جیل میں سخت تعذیب کا شکار رہیں، لیکن ان کے پائے ثبات میں جنبش تک نہیں آئی۔ ۱۹۶۵ء کے دور ابتلا میں سیدہ زینب الغزالی اور سید قطب شہید کی بہنوں حمیدہ قطب اور امینہ قطب وغیرہ نے جیل خانوں میں بڑی تعذیب برداشت کی، لیکن اپنے مشن پر قائم رہیں۔

اس تعذیب کا ایک شکار ہمارا دوست محب حسنی الحمدی بھی ہوا۔ وہ ۱۹۵۴ء میں قاہرہ یونی ورسٹی

میں بین الاقوامی تعلقات میں ایک کورس پڑھنے کے ساتھ ساتھ رات کو روزنامہ الجمہوریہ میں بھی کام کرتا تھا۔ جمال عبدالناصر کے قتل کے ڈرامے کے بعد جہاں ہزاروں اخوانی گرفتار کیے گئے تھے، وہاں اس کو بھی گرفتار کیا گیا۔ یہ دو ہفتے جیل میں رہنے کے بعد ہم سے ملنے آیا۔ اس کا سر مونڈ دیا گیا تھا اور اس نے ہمیں پیٹھ دکھائی جو کوڑوں کی مار سے اب تک نیلی تھی اور کہیں کہیں سے کھال ادھڑی ہوئی تھی، لیکن اس کا آہنی عزم اب بھی ویسا ہی تھا۔ یہ اخوان کی اس تنظیم میں نہ تھا، جو نہر سویز کے علاقے میں انگریزوں کے خلاف گوریلا حملوں کے لیے ۱۹۵۱ء میں بنائی گئی تھی جس سے مصری وفدی حکومت اور فوجی حکومت واقف تھی۔ محب الحمدی کو اس کے بقول صرف شبہے میں پکڑا گیا تھا، اور محض یہ دیکھنے کے لیے کہ اس کا اس تنظیم سے کوئی تعلق تو نہیں جیل میں ننگا کر کے اس کی کھال ادھیڑ دی گئی تھی۔ خدا شاہد ہے کہ وہ ہمارے سامنے ہنستا تھا۔ اس اذیت ناک عمل کی اس پر کوئی دہشت، کوئی خوف طاری نہ تھا۔ وہ اور میرے دوسرے فلیٹ کے اخوانی ساتھی امام حسن البنا شہید کو دیکھ چکے تھے، سن چکے تھے، ان کے ساتھ بیٹھ چکے تھے، ان کی صحبت نے ان نوجوانوں کو جو اَب ۷۰ برس کے بوڑھے ہیں یا دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، کندن کر دیا تھا۔

○ **امام البنا اور تصوف:** امام حسن البنا شہید کو جوانوں سے بہت محبت تھی۔ انھوں نے اپنی تحریک اخوان المسلمون کی بنیاد ۱۹۲۸ء میں اس وقت رکھی جب وہ اسماعیلیہ کے شہر میں ایک اسکول ماسٹر تھے، یعنی وہ اس وقت صرف ۲۲ سال کے ایک نوجوان تھے۔ وہ ایک وہبی لیڈر (قائد موہوب) تھے۔ بچپن ہی سے ان کو اجتماعی خیر کے کاموں کا شوق تھا۔ انھوں نے اپنے قصبے محمودیہ میں الجمعیة الحصافیه الخیریة اپنے اسکول کے زمانے میں بنائی تھی، جس کے وہ سیکرٹری تھے اور یہ جمعیت انھوں نے اپنے شیخ طریقت شیخ عبدالوہاب الحصافی کے نام پر بنائی تھی، جن سے وہ طریقۂ حصافیہ میں بیعت ہو گئے تھے کہ جب وہ دمنہور کے اسکول میں زیرِتعلیم تھے۔ اس تعلق و تربیت سے ان کے اندر وہ روحانیت پیدا ہو گئی تھی اور ان کی تقریر و تحریر میں وہ حلاوت و تاثیر تھی جو بہت سے دین کے مبلغین اور داعیوں میں نہیں پائی جاتی۔

امام حسن البنا نے اپنی کتاب مذکرات الدعوة و الداعیة (حسن البنا شہید کی ڈائری) میں تصوف کے موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ شیخ حسن البنا تصوف کے خانقاہی نظام سے

متفق نہیں تھے، تاہم وہ اس کو عبادات کا ذوق وشوق اور اس میں حلاوت پیدا کرنے کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ واقعی وہ اپنے جوانی کے ابتدائی زمانے سے اس کے سبب تہجد و دیگر نوافل اور نفلی روزوں اور اذکار و اوراد کے پابند تھے۔ اسی ذوق عبادت کے تحت انھوں نے بعد میں اخوان کے لیے مسنون ادعیہ و اوراد پر ایک چھوٹی سی کتاب الماثورات لکھی، جو عام طور پر اخوان پڑھتے ہیں۔ شیخ حسن البنا متحرک یا تحریکی (dynamic) تصوف کے قائل تھے۔ اسی لیے جب انھوں نے تحریک اخوان المسلمون کی بنیاد ڈالی جو حرکت و عمل پر مبنی تھی تو ان کے شیخ طریقت نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ تب انھوں نے اپنے شیخ کے اختلاف پر کوئی توجہ نہیں دی اور اپنی تحریک پر عمل پیرا رہے۔

○ **حسن البنا کی دینی تڑپ:** الجمعیة الخیریة کے علاوہ جو دینی عقائد کی تصحیح، اسلامی احکام پر عمل، فلاحی کام اور عیسائی مشنریوں کے توڑ کے لیے بنائی گئی تھی، حسن البنا اپنی جوانی ہی میں قاہرہ میں دوسری دینی جماعتوں، جمعیة نهضة الاسلام' جمعیة مکارم الاخلاق الاسلامیه کے بھی رکن رہے، لیکن انھیں اللہ تعالیٰ نے کسی اور بڑی اور ہمہ گیر اسلامی تحریک کے لیے بنایا تھا۔ اس لیے مصر میں کسی بھی موجود دینی وسماجی جمعیت سے ان کی تسلی نہیں ہوئی۔ ان کی دینی حمیت اور تڑپ کا یہ عالم تھا کہ جب وہ قاہرہ میں اعلیٰ تعلیم کے لیے آئے تھے اور ۱۷ سال کی عمر میں کالج میں زیر تعلیم تھے تو اس وقت قاہرہ میں لادینیت اور بے حیا مغربی تہذیب کے اثرات زوروں پر تھے۔ اس کے سبب حسن البنا کے بقول: میں ملک کے اس حال پر اتنا فکر مند تھا کہ رمضان میں دو ہفتہ تک نیند نہیں آئی۔ میں نے طے کیا کہ علما اور کسی ایسے عالم و شیخ طریقت سے مل کر جن کا معاشرے میں اثر ہو ان پر زور دوں گا کہ وہ اس بڑھتی ہوئی لادینیت اور اباحیت کے خلاف کوئی عملی قدم اٹھائیں۔

اس غرض کے لیے حسن البنا جمعیة نهضة الاسلام کے صدر شیخ یوسف الدجوی کے پاس گئے، ان کی محفل میں کچھ علما اور ممتاز لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ نوجوان طالب علم حسن البنا نے ملک میں بڑھتی ہوئی لادینیت اور بے حیائی کا شکوہ کیا۔ شیخ یوسف نے عام بزرگوں کی طرح کہا جو کچھ ہوسکتا ہے کرو کہ لا یکلف اللہ---" مگر خود حسن البنا کہتے ہیں: میں نے کہا نہیں، یا سیدی! یہ کمزوری اور اپنی ذمہ داری سے فرار کی بات ہے۔ آپ کو کس کا ڈر ہے، حکومت کا، ازہر کا؟ آپ کو

گزارہ الاؤنس ملتا ہے، اپنے گھر بیٹھے ہیں، کوئی کام نہیں، اسلام کے لیے کام کیجیے۔ ہماری قوم مسلمان قوم ہے، وہ آپ کے ساتھ ہے۔ میں نے ان لوگوں کو قہوہ خانوں میں، سڑکوں پر اور مسجدوں میں دیکھا ہے، وہ آپ کے ساتھ ہیں، لیکن چونکہ کوئی ان کی راہ نمائی نہیں کر رہا ہے، اس لیے اپنے پرجوش ایمان کے باوجود وہ ایک ضائع شدہ طاقت ہیں، اور اسی سبب سے لادین اور بدکردار عناصر کے اخبارات و رسائل، جو آپ لوگوں کی لاتعلقی کے سبب سرگرم ہیں، ان کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اگر آپ لوگ ان کے خلاف کھڑے ہو جائیں تو یہ عناصر اپنے بلوں میں گھس جائیں گے۔ یا استاذ! اگر آپ اللہ کے لیے قدم اٹھانا نہیں چاہتے ہیں تو اپنی دنیا اور اپنی روٹی کے لیے ہی اٹھیے، کیونکہ اگر اسلام مٹ گیا تو ازہر بھی مٹ جائے گا، علما بھی مٹ جائیں گے۔ پھر نہ آپ کو کچھ کھانے کے لیے ملے گا اور نہ خرچ کرنے کے لیے پیسہ ملے گا۔ اگر اسلام کے دفاع کے لیے نہیں اٹھتے تو اپنی ذات کے لیے اٹھیے، اپنی دنیا کے لیے ہی سرگرم عمل ہو جایئے۔ اگر آخرت کے لیے عمل نہ کیا، تو اے شیخ محترم! یہ دنیا اور آخرت دونوں ہی رائیگاں جائیں گے۔

حسن البنا شدت جذبات میں اسی سوز دروں سے بولتے رہے، لیکن حاضرین میں کچھ لوگوں کو نوجوان طالب علم کا یہ لہجہ پسند نہیں آیا۔ ایک مرید نے سختی سے انھیں جھڑکا کہ "تم نے شیخ کے ساتھ گستاخی کی ہے اور علمائے ازہر کی بھی توہین کی، اسلام کمزور نہیں پڑے گا۔ اللہ نے خود اس کی نصرت کا وعدہ کیا ہے۔ تم کون ہوتے ہو یہ ڈراوے دینے والے"۔ لیکن حاضرین میں سے ایک معزز شخص احمد بے کامل نے ان صاحب کو روکا: "نہیں، یہ نوجوان حق بات کہہ رہا ہے۔ تمھارا فرض ہے کہ اٹھو، کب تک یہ بے عملی رہے گی؟ وہ تو تم سے صرف یہ چاہتا ہے کہ تم اسلام کی نصرت کے لیے جمع ہو جاؤ۔ اگر تمھیں جگہ درکار ہے تو میرا گھر موجود ہے، پیسہ چاہیے تو خیرخواہ مسلمانوں کی کمی نہیں، تم ہمارے راہ نما ہو، ہم تمھارے پیچھے ہیں، لیکن یہ حیل و حجت کسی کام کی نہیں۔"[۳]

اس کے بعد شیخ یوسف الدجوی ایک دوسرے بزرگ شیخ محمد سعید کے یہاں جانے کے لیے اٹھ گئے۔ حسن البنا بھی ان کے ساتھ ہو گئے اور ان کے گھر جو کچھ پیش آیا وہ حسن البنا شہید کی

۳- احمد حسن الشوربجی: الامام الشہید البنا، مجدد القرن الرابع عشر الہجری، دارالدعوۃ، اسکندریہ، ص ۷۶-۷۷

اللہ کے یہاں مقبولیت کی پہلی نمایاں جھلک تھی۔

الامام البنا خود اس رقت آمیز اور اثر انگیز واقعے کو اس طرح بیان کرتے ہیں: ''ہم سب شیخ دجوی کے مکان سے قریب ہی شیخ محمد سعید کے یہاں منتقل ہوگئے، اور میں نے کوشش کی کہ شیخ دجوی کے قریب ہی بیٹھوں، تاکہ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ بخوبی کہہ سکوں۔ اس موقعے پر رمضان کی جو مٹھائیاں ہوتی ہیں حاضر کی گئیں۔ وہ لینے کے لیے شیخ بڑھے تو میں ان کے قریب آ گیا۔ شیخ نے کہا تم یہاں بھی ہمارے ساتھ آ گئے۔ میں نے کہا: جی ہاں، جب تک ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچ جائیں گے، آپ کو چھوڑوں گا نہیں۔ شیخ دجوی نے مجھے کھانے کے لیے مٹھائی دی اور کہا کہ یہ کھاؤ، ان شاء اللہ ہم سوچیں گے۔ اس پر میں نے کہا یا سیدی! مسئلہ اب سوچتے رہنے کا نہیں ہے، ضرورت عمل کی ہے۔ اگر مجھے مٹھائی وغیرہ کھانا ہوتی تو میں ایک قرش (روپیہ) میں خرید کر اپنے گھر میں بیٹھ کر آرام سے کھاتا اور یہاں آنے کی مشقت گوارا نہیں کرتا۔ یا سیدی! اسلام کے خلاف اتنی سخت جنگ جاری ہے اور اسلام کے پیروکار، اس کے حمایتی اور مسلمانوں کے پیشوا اس عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ جو کچھ کھا رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا آپ سے حساب نہیں لے گا؟ اگر آپ لوگوں کو اپنے سوا اسلام کے کوئی اور پیشوا اور دفاع کرنے والے معلوم ہوں تو براہ کرم مجھ کو انھی کا پتا دے دیجیے، میں ان کے پاس چلا جاؤں گا۔ ہوسکتا ہے کہ مجھے ان کے پاس وہ مل جائے جو آپ کے پاس نہیں (یعنی اسلام کا درد)''۔

''ایک گھڑی کے لیے عجیب خاموشی طاری ہوگئی اور پھر شیخ کی آنکھوں سے شدت سے آنسو بہنے لگے، جس سے ان کی داڑھی تر ہوگئی اور حاضرین پر بھی گریہ طاری ہوگیا۔ شیخ نے خود ہی اس خاموشی کو توڑا اور گہرے غم اور شدید احساس میں کہا: میں کیا کرسکتا ہوں حسن؟ میں نے کہا یاسیدی! معاملہ آسان ہے، لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ ۲:۲۸۶) میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ اہل علم اور اصحاب جاہ و منزلت میں سے جن میں آپ کو دینی حمیت نظر آتی ہے، آپ براہ کرم صرف ان کے نام شمار کرا دیں تاکہ وہ کچھ کرنے کے بارے میں سوچیں۔ الحادی جرائد کے مقابلے میں کچھ نہیں تو ایک ہفتہ وار مجلہ ہی نکالیں، اور ان کی کتابوں کے رد میں کتابیں اور پمفلٹ لکھیں۔ نوجوانوں کے لیے تنظیمیں بنائیں، وعظ و نصیحت میں سرگرم ہوں، وغیرہ وغیرہ۔ کہنے لگے